ڈاکٹر یاسمین سلطانہ
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی

ٹیگور کے ناول میں سماجی شعور

SOCIAL AWARENESS IN TAGORE'S NOVEL

ABSTRACT

In any Literature it is necessary to draw real picture of society and the man of letter should be socially conscious. Nobel Laureates of Bangla Literature, famous poet and world renowned man of letter Rabindranath Tagore was a sensitive man of Letter. Although, he was not an announced socialist by virtue of political thoughts, but he had an eagle eye on socio-economic condition of Indian Labourers and he reflected them very well in his writing. He had also highlighted those in his poetry.

There were different reasons of decline of Muslims and Hindus after war of Independence 1857. He tried to reform in traditional religious norms. He was in favour of women's liberty in India he played his role as a reformer by highlighting the exploitation of Indian women in his novels. In short he had keen eye on every thing as a poet of human life and he reflected every circumstance of the society as a writer in real sense through characters of his novels.

کسی بھی معاشرے کا سب سے حساس فرد ادیب ہوتا ہے، جس کی معاشرے کے حسن و قبیح پر گہری نظر ہوتی ہے۔ سماج کے تہہ میں چھپے ہوئے ناسوروں کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے اور اس پر قلم اٹھانے کے لیے سب سے پہلے سماجی شعور حاصل کرنا ہوتا ہے۔ سماج کا درست علم وہی حاصل کر سکتا ہے جو سماجی ارتقاء کا شعور رکھتا ہو۔ تاریخی شعور کا تقاضا ہے کہ سماج کی درست تصویر اتارنے کے لیے سماج کے اعلیٰ طبقے کے ساتھ ساتھ نچلے طبقے کے کچلے ہوئے افراد، کسانوں اور مزدوروں کے صحیح حالات ان کے روز مرہ کے مسائل کی نشاندہی کی جائے اور بہتر سماج کی تعمیر کے لیے ان کے روز مرہ کے مسائل کا قابل قبول حل بھی پیش کیا جائے۔

بنگلہ ادب کے نوبل انعام یافتہ شاعر و ادیب رابندر ناتھ ٹیگور سماجی شعور رکھنے والے حساس ادیب تھے۔ ان کے ناولوں نے ان کو بقائے دوام کے دربار میں جگہ دی اور انہیں دنیائے ادب کے صف

اول کے ناول نگاروں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ انکے تخلیقات کے اب تک انگریزی، اُردو اور سندھی میں بے شمار تراجم ہو چکے ہیں۔

رابندر ناتھ کے ناولوں کی تعداد (جو کتابی طور پر شائع ہوئے) ۱۳ ہیں۔ انہوں نے شاعری اور ناول نگاری تقریباً ساتھ شروع کی تھی۔ ان کا پہلا ناول '' کرونا'' قسط وار رسالہ '' بھارتی'' میں بنگلہ سن ۱۲۸۴ مطابق ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ لیکن غالباً یہ مکمل نہیں ہو پایا تھا، لہٰذا کتابی طور پر یہ ناول شائع نہیں ہوا۔ اس کے بعد اس رسالے میں '' بوٹھاکرانیر ماٹ'' (۱۸۸۱ء) شائع ہوا یہ دونوں تاریخی ناول ہیں اور اُن پر ناول نگار بنکیم چٹرجی کا نمایاں اثر ہے لیکن ٹھاکر نے اس کے بعد ہی اپنی راہ الگ نکال لی۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ تاریخی ناول، تاریخ نہیں ہوتے۔ بلکہ ناول کی ضرورت کے مطابق تاریخ کو محض پس منظر کے طور پر کام میں لایا جاتا ہے اس طرح یہ ناول جسٹور یا تر پورہ کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ '' راجرشی'' کے بعد طویل سات سال تک رابندر ناتھ نے کوئی تاریخ نہیں لکھی۔ اس کے بعد ان کا دوسرا قدم '' چوکھیر بالی'' (۱۹۰۲ء) اور '' نوکاڈوبی'' (۱۹۰۶ء) آتے ہیں۔ لیکن یہ ناول بھی ایسی نہیں ہیں جن کا خاص طور پر ذکر کیا جائے بلکہ کئی نقادوں کا خیال ہے کہ '' نوکاڈوبی'' رابندر ناتھ کا سب سے کمزور ناول ہے۔

رابندر ناتھ کے ناولوں میں ''گھرے بائرے'' (۱۹۱۶ء) ''چتورنگ'' (۱۹۱۶ء) ''جوگا جوگ'' (۱۹۲۹ء) اور '' ششیر کوبتیا'' (۱۹۳۰ء) ایسے ہیں جو مقبول ہوئے۔ '' گھرے بائرے'' اور ''چارادھیائے'' (۱۹۳۴ء) دونوں کا موضوع دہشت پسند بغاوت کی تحریک ہے، ''جوگا جوگ'' ایک نامکمل ناول ہے۔ ٹھاکر کے تمام ناولوں میں ''گورا'' سب سے ضخیم اور اہم ترین ناول ہے۔ جس کے لئے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ '' گورا'' کی تخلیق کا زمانہ ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۱ء ہے۔[1]

رابندر ناتھ ٹیگور کا تعلق بھی ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو سماج کے دکھ کو اپنی روح میں اترتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ وہ نقاد جنہوں نے رابندر ناتھ کو محض شاعر حسن و عشق، شاعر فطرت، شاعر روحانیت وغیرہ کے طور پر پیش کرتے آئے ہیں انہوں نے ٹھاکر کو یا تو سمجھا ہی نہیں یا اگر سمجھا ہے تو وہ مفاد پرستوں کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں، جن کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ ٹھاکر کی اصلیت کو عوام سے پوشیدہ رکھیں۔ یہ درست ہے کہ رابندر ناتھ سیاسی معنوں میں اشتراکی یا کمیونسٹ نہیں تھے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس عہد کے کسی سیاسی رہنما، اشتراکی یا کمیونسٹ رہنما نے بھی ہندوستان کی معاشی حالت، یہاں کے کسانوں اور مزدوروں کی روزمرہ زندگی کی جیتی جاگتی تصویر کو اتنا صاف اور واضح طور پر

پیش نہیں کیا، جتنا کہ ٹھاکر نے کیا ہے۔اس سے یہ واضح ہے کہ انہوں نے ہندوستان کی معاشی حالت کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا، تب ہی تو وہ محسوس کر پائے کہ انقلاب آنے کو ہے اور اس انقلاب کے قدم رک نہیں سکتے۔۲

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ رابندر ناتھ محنت کشوں کے نمائندے تھے۔ لیکن غالباً ٹھاکر محنت کشوں کے جتنے قریب آئے تھے اس سے زیادہ اس سماجی پس منظر میں کسی ادیب کے لئے مزدوروں کی طرفداری کرنا ممکن نہیں تھا۔اور ہندوستان کی ادبی تاریخ میں اس وقت کا کوئی فنکار ایسا نظر نہیں آتا جس نے رابندر ناتھ کی طرح محنت کشوں کا ساتھ دیا ہو محنت کشوں سے متعلق رابندر ناتھ کے شعور کا سفر انیسویں صدی کے آخری دہائی سے شروع ہوا اور بیسویں صدی کی تیسری دہائی تک وہ وقت ضرورت مزدوروں کے حق میں آئے ہیں۔انیسویں صدی کے آخر میں ہماری جنگ آزادی ابتدائی مرحلے میں تھی ۔ قومیت اور آزادی وغیرہ کی باتیں اونچے متوسط طبقہ اور دانشوروں کے گھروں کی چہاردیواری تک محدود تھیں۔مزدوروں کی تحریک بھی ابھری نہیں تھی جنگ آزادی میں مزدور شامل نہیں ہوئے تھے ۔تعلیم کی روشنی چند گھروں تک محدود تھی۔ گزشتہ صدی کے آخر میں دو چار ٹریڈ یونین برائے نام قائم ہوئی تھیں پھر رفتہ رفتہ تحریک آزادی جتنی بڑھتی گئی اس میں اونچے طبقہ کے بدلے درمیانی طبقہ کے لوگ شامل ہوتے گئے۔ محنت کشوں کی لڑائی کا رشتہ تب تک جنگ آزادی سے منسلک نہیں ہوا تھا۔ دانشور جو آزادی کی باتیں کرتے تھے وہ بھی مزدوروں سے اپنے تعلقات قائم نہیں کر پائے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ آزادی کے پہلے دور میں رابندر ناتھ محنت کشوں کے سلسلے میں سوچنے لگے تھے اور ان کی تخلیقات میں مزدوروں کی باتیں آنے لگی تھیں لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ٹھاکر نے تاریخ کے نئے دھارے کو سمجھ لیا تھا اور غالباً وہ پہلے فنکار ہیں جن کی تخلیقات میں مزدوروں کا ذکر اتنا کھل کر آیا ہے۔ رابندر ناتھ کے ادب میں محنت کشوں کے جو کردار ہیں وہ ایسے ہیں جو اس عہد کے کسی اور فنکار کی تخلیقات میں ناپید ہیں۔۳

انہوں نے اپنے ناول'' گورا'' میں سماج کے ان پہلوؤں کو پیش کیا ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندو مسلم دونوں کی پستی کا سبب تھے۔اس ناول میں ٹیگور نے اپنے عہد کے بڑے اور اہم موضوعات کو لیا۔ ذات پات، صنف، مذہبی روایتوں کے بیچوں بیچ اصلاحی تحریکات کو اُجاگر کیا۔اس ناول کے ترجمہ کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

'' دیہات میں اس طرح گھومتے ہوئے گورا نے ایک بات یہ بھی دیکھی کہ مسلمانوں میں

کوئی بات ایسی تھی جو اُن کو متحد کر سکتی تھی۔اس نے غور کر کے دیکھا تھا کہ گاؤں پر اگر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو جتنے مسلمان ہیں وہ ایک دوسرے سے اس طرح کاندھا ملا کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہندو جیسا کبھی نہیں کرتے،اور وہ اکثر یہ سوچ کر تعجب کرتا کہ یہ دو قومیں ایک دوسرے سے اتنا قریب رہتی ہیں اور پھر بھی ان کی طبیعتوں میں یہ بنیادی فرق بڑا عجیب ہے۔

اس کی عقل اس سوال کا جواب دیتی تھی۔اس جواب کو وہ سچ ماننا چاہتا تھا لیکن اسے بڑے دکھ کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ مسلمان صرف رسموں اور روایتوں کے زریعے متحد نہیں تھے،۔۔۔یہ ان کا مذہب تھا جو ان میں یگانگت پیدا کرتا تھا۔ان کی رسمیں بھی ایسی تھیں جو ان کی ایسی تقریبوں کو محض فضول اور نقصان دہ نہیں بناتی تھیں،اور پھر مذہب کا رشتہ تو سب کو ایک کئے ہی تھا۔اس طرح متحد ہو کر انہوں نے گویا کچھ مثبت قدروں کو اپنا لیا تھا جو منفی عناصر کو پسپا کرتی رہتی تھیں،اس طرح ان کی کیفیت صرف قرضداروں کی نہیں بلکہ مال داروں کی تھی۔ان کے پاس کچھ ایسے ذرائع تھے کچھ ایسے تصورات تھے جن کی صدا پر انسان پل بھر کے اندر راٹھ کھڑا ہو سکتا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان قربان کر دینے کی توفیق اپنے آپ میں پیدا کر سکتا تھا''۔[۴]

سماجی اخلاقیات ہوں یا انفرادی نیکی کا تصور یا عمل اعلیٰ سماج میں ہی نشو نما پاتا ہے۔ لیکن جب انسانی آسودگی کے راستے میں ہزاروں روکاوٹیں حائل ہو کر اس کے راستے مسدود کرتی ہوں تو انسان فرار کی راہ ڈھونڈ نکالتا ہے۔ جیسے ٹیگور نے اپنے ناول'' نجات'' میں پیش کیا۔

''رام لال جیسے سنجیدہ فطرت کے انسان کو بھی دفاتروں کے دروازوں پر ملازمت کی امید واری کے لیے خاک چھاننی پڑی۔ لیکن ملازمت کی ایک معمولی سی اُمید بھی دکھائی نہ دی۔ازدواجی سراؤں کے گدھوں کی عبرتناک حالت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ ترک دنیا کا خیال اگر ایام مصیبت میں نہ آئے تو کب آئے۔

تب رام لال نے خوب غور کیا۔اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں مہا تما بدھ کی طرح ترک دنیا کا نیک عمل کروں گا۔ بیج پھوٹ چکا تھا۔ صرف آبپاشی کی ضرورت تھی۔پٹرول کا ذخیرہ پُر تھا ضرورت تھی ایک دیاسلائی کی رگڑ کی۔انجام کار مجبور لاچار،بچارا رام لال ایک روز تاریکی شب میں گھر سے نکل کر چپکے سے چل دیا۔ کہاں؟ یہ پتا نہیں''۔[۵]

ملک میں سرمایہ دارانہ نظام جس طرح مزدوروں کا خون چوس رہا تھا انہیں لوٹ رہا تھا، کمیو نسٹ نہ ہونے کے باوجود ٹیگور نے اس نظام کی شدید مذمت کی۔ وہ سیاستدان نہیں تھے۔ کسی کسان سبھا

سے ان کا تعلق نہیں تھااور نہ ہی مزدور رہنما یاٹریڈیونین لیڈر تھے اور نہ کبھی انہوں نے خود کو سیاسی رہنماقرار دیااور نہ ہی کسانوں اور مزدوروں کار ہنما۔انہوں نے ہمیشہ خود کوایک ادیب ہی سمجھااور ایک حساس ادیب کی حیثیت سے محنت کش عوام کی زندگی اور ان کے مسائل کو دیکھا، محسوس کیااور اس کی نشاندہی کی۔ انہوں نے اپنے ناول کے کرداروں کے ذریعے دنیا کو بتایا کہ اس دنیا کو چلانے والے دراصل مزدور ہی ہیں۔ مستقبل کا دارومدار ان کی محنت پر ہے۔ مزدور سماج کے رہنما نہیں ہوتے مگر انقلاب کی رہنمائی محنت کشوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ایک جلسے کی تقریب میں دنیا کی معاشی حالت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''موجودہ تہذیب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مقام پر لوگوں کا ایک گروہ(طبقہ) غذا کی پیداوار کے لئے اپنی تمام تر قوت صرف کر رہاہے،اور دوسری طرف ایک اور مقام پر ایک اور گروہ(طبقہ) کے لوگ آرام سے رہ کر اس غذا پر زندہ ہیں۔۔۔۔

آج کا معاشی مسئلہ اتنا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے عالم بھی اس کی حقیقی وجہ تلاش نہیں کر پارہے ہیں۔ روپیہ ہے کہ جمع ہوتا جارہاہے، ڈھیر ہوتا جارہاہے، حالانکہ اس کی قوت خرید، اس کی قیمت گھٹ رہی ہے۔۔۔۔۔دولت کی پیداوار اور اس کی تقسیم میں جو فرق تھا، بھید تھا، وہ آج بہت بڑھ گیاہے''۔٦

رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنے ناول '' کلموہی'' میں سماج کے طبقاتی فرق کا بڑے دلکش انداز میں نقشہ کھینچاہے۔راج لکشمی جو ایک مالدار بیوہ ہے اپنے بیٹے مہندر کے دوست بہاری کو صرف اس لیے اپنے زرخرید غلام کی حیثیت دیتی ہے کہ وہ مالدار نہیں جب کہ بہاری مہندر سے زیادہ راج لکشمی سے محبت کرتا ہے انہوں نے اپنے ناول '' گورا'' میں بھی طبقاتی سماج کی نشاندہی کی ہے۔ناول میں گاؤں میں غیر ملکی حاکموں نے کسانوں، کاشکاروں پر مظالم ڈھائے اور اس پسماندہ طبقے نے اسے سہا۔جدیدیت کے جو فوائد یا ثمرات تھے وہ شہر کے امرأ کی جھولی میں آئے۔

ٹیگور نے اپنے کردار کے ذریعے ہندوستانی سماج کے مخصوص تہذیبی وثقافتی رویے کی عکاسی کی ہے۔انہوں نے اپنے دور کے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین خانہ کی تنہائی اور بے وقعتی کے احساسات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا۔ ٹیگور نے شوہروں اور بیویوں کے عدم مطابقت کو اپنی چشم مشاہدہ میں رکھنے کے باوصف اپنے ناولوں میں ان غیر رسمی تعلقات کو اپنا موضوع بنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔انہوں نے اپنے ناول '' نجات'' میں ''کملنی'' کے کردار کے ذریعے سماج کی آنکھوں سے

پر دا ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ کملنی جو لاثانی حسن کی مالک ہے اس کا حسن روشنی کی لکیر کی طرح جیسے نیند سے بیدار ہوتے ہوئے انسان کی آنکھوں میں عجیب چکا چوند پیدا کر دیتا ہے مگر پھر بھی شوہر کی بے اعتنائی کا شکار ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ :

"کبھی کبھی آئینہ کے سامنے جا کر باندھا ہوا جوڑا یکا یک کھول ڈالتی ہے اور بے وقت ہی اسے باندھنے بیٹھ جاتی ہے۔ زلفوں میں ڈوری گوندھ کر دونوں بازوؤں پر اٹھا کر جوڑا باندھتی ہے۔ پھر فرصت کا وقت ہوتا ہے۔ سامنے کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا تب سُستی کی وجہ سے اپنے نرم اور ملائم بستر پر لیٹ جا تی ہے۔

کملنی کا کوئی بچہ نہیں۔ وہ ایک رئیس کی لڑکی اور رئیس کی ہی بیوی ہے۔

اسے خود کرنے کے لیے گھر میں کوئی خاص کام نہیں۔ وہ اکانت میں اکیلی روزانہ اپنی جوانی کو خود اکھٹا کر رہی ہے۔ اب وہ جوانی اس کے سنبھالے نہیں سنبھلتی۔ خاوند ہے مگر وہ اس کے قابو میں نہیں ہے۔ ے

ٹیگور نے اپنے ناول "نشٹینر" میں ایک شادی شدہ عورت کو اپنے چچیرے دیور کی محبت میں مبتلا ہوتے دکھایا۔ "دوئی بون" میں ایک شادی شدہ آدمی، اپنی بیوی اور سالی کی محبت کے ساتھ رشتوں کی ایک تثلیث قائم کرتا ہے "کلموہی" میں شادی شدہ مہندر اپنی دور کی بیوہ بھابھی نبودنی کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنی سادہ لوح بیوی کی حق تلفی کرتا ہے۔ ایسے تعلقات کو ہندوستانی اشرافیہ نہ کل قبول کرتا تھا نہ آج کرتا ہے مگر ہندوستانی سماج کے گھٹن زدہ ماحول میں یہ نا قابل قبول کردار بھی پنپ رہے تھے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ملک کو جو مسائل درپیش تھے ٹیگور کی بصیرت ان تمام مسائل کو سمجھ رہی تھی۔ سماج کے اندر جو برائیاں سرائیت کر چکی تھیں انہیں دور کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ خاص کر ہندوستان کے درمیانی طبقہ کے گھروں میں عورتوں کی افسوس ناک حالت دیکھ کر وہ بہت متردّد تھے۔ اور انہوں نے اپنی پر زور تحریر کے ذریعہ اس کو بے نقاب کر کے بڑی شدت کے ساتھ اس کی مذمت کی۔ اپنے کرداروں کے ذریعے ہندوستانی عورتوں کے استحصال جیسے موضوع کو انہوں نے اپنے ناول میں جگہ دی۔ اپنی خود غرضی اور کمینہ پن کی وجہ سے مردوں نے اپنے زنان خانے کو عقوبت خانہ بنادیا تھا اور اس پر طرّہ یہ کہ وہ بے تامل یہ سمجھتے تھے کہ عورتوں کو اپنے حال میں خوش رہنا چاہیے کیونکہ قانون قدرت کا یہی منشا ہے۔ عورت نے اگر آزاد فضا میں سانس لینے کی خواہش کی یا ظلم سہنے سے انکار کیا تو اسے بغاوت کہہ کر سزا کی حقدار قرار دیا جاتا تھا۔ ناول" گورا" میں اس کا عکس یوں نظر آتا ہے۔

" عورتوں کی سماجی حیثیت کے متعلق نبوئے اب تک گورا سے مکمل اتفاق کرتا چلا آیا تھا بلکہ اسی موضوع پر اخبارات میں مضامین بھی لکھ چکا تھا۔ مگر اب اس رائے پر قائم رہنا اسے مشکل نظر آرہا تھا لہٰذا رک کر کہنے لگا

"دیکھئے۔۔۔۔۔ کیا آپ ایسا نہیں سوچتی ہیں کہ بہت سے سماجی معاملات پر ہم روایت کے غلام ہیں۔ ہمیں عورتوں کو گھر سے باہر دیکھ کر اسی لیے تو بُرا لگتا ہے کہ ایسا دیکھنے کے عادی نہیں ہیں پر ہم اپنے احساسات کو دلیلوں سے مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔۸

ناول "سنجوگ" میں بپراداس نے اپنی بہن کمو کو کہا۔

" میر ماں نے ذلت برداشت کی تھی، وہ تمام عورت ذات کی ذلت تھی۔ کمو کیا تو اپنی انفرادی حیثیت سے اپنی مصیبت کو بھلا کر اس بے عزتی، اس تحقیر کے خلاف کھڑی ہو سکتی ہے۔ کبھی بھی ہار نہ ماننے کے لیے؟

کمو سر جھکا کر آہستہ آہستہ بولی۔" لیکن باباتوماں سے بہت محبت کرتے تھے۔

بپراداس نے کہا:" یہ مانتا ہوں۔ لیکن اتنی شدید محبت کرنے کے باوجود بھی وہ بڑی آسانی کے ساتھ ماں کی تحقیر کر جاتے تھے۔ اس میں سراسر قصور سماج کا ہے۔

اس لیے میں سماج کو کبھی معاف نہیں کر سکتا"۔

" سماج نے عورت کو اس کے حقوق دینے کے بجائے ہمیشہ اسے فریب دیئے ہیں۔ اسی سماج کے خلاف جنگ کرنی ہے"۔۹

اسی ناول میں کمو جب اپنے شوہر مدھوسودن کے مظالم سے تنگ آکر اپنے بھائی بپراداس کے پاس آگئی اور سسرال واپس جانے سے انکار کر دیا تو بپراداس نے سماج کا آئنہ قبل از وقت بہن کو دکھا کر اس کے ارادے کی مضبوطی کا اندازہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ کہتا ہے:

" دیکھ، کمو! وہ لوگ فساد کریں گے ضرور۔ سماج کے بل پر، قانون کے بل پر، ہنگامہ کرنے کا انہیں حق حاصل ہے۔ اس لیے میں اس کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ لیکن مقابلہ کرنا ہے تو پھر ساری شرم، تمام فکروں اور کل اندیشوں کو بھلا کر، سماج کے سامنے سینہ تان کے کھڑا ہونا ہوگا۔ گھر کے باہر چاروں طرف بدنامی کے طوفان اٹھیں گے۔ ان طوفانوں کے بیچ میں سر اُٹھا کر تجھے چلنا ہوگا"۔۱۰

ناول " کلموہی" کا نسوانی کردار نبودنی جو تعلیم یافتہ اور خوبصورت تھی مگر اس کی تعلیم اس کی خامی بن گئی اور مجبوراً ایک بوڑھے شخص سے بیاہ دی گئی جو چند مہینوں میں پرلوک سدھار گیا اور نبودنی اپنی جوانی

اکیلے کاٹنے پر مجبور کر دی گئی۔ مگر وہ سماج سے اور سماج کی ناانصافی کے خلاف جس نے اس سے خوش رہنے کا حق چھین لیا بغاوت کرتی ہے۔ وہ محبت اور مسرت کو عورت کا حق سمجھتی ہے اسی لیے شادی شدہ مہندر اور اس کے دوست بہاری دونوں کے دلوں میں اپنی محبت جگاتی ہے اور مہندر کی ماں کے ٹوکنے پر بڑی دھٹائی سے جواب دیتے ہوئے کہتی ہے:

"کیا آپ نے اپنی بہو کی ضد میں اس چلتر باز عورت کو یہ اشارہ نہیں کیا تھا کہ آپ کے بیٹے کا دل بہلائے؟

ہم عورتوں کی ذات بھی کیسی مکار اور فریبی ہے! پھپھی اماں، میرے اندر جو چھل فریب تھا اسے آپ مجھ سے بہتر سمجھتی تھیں! اور کچھ جان بوجھ کر کچھ انجان پن میں میں نے جال ڈالا، آپ نے بھی کچھ دانستہ کچھ نادانستہ دام فریب بچھایا۔ یہ عورت ذات کا دستور ہے۔ ہم چلتر باز جو ٹھہرے"! ۱۱

رابندر ناتھ کا بنیادی خیال یہ تھا کہ اس وقت تک ہندوستان سے غربت، جہالت، بھید بھاؤ، چھوت چھات اور فرقہ پرستی دور نہیں ہو سکتی جب تک گاؤں سے کام کی ابتدا نہ کی جائے یعنی جب تک دیہی عوام کے معیارِ زندگی کو بلند نہ کیا جائے، ان میں تعلیم کی روشنی نہ پھیلائی جائے۔ اپنی زمینداری کے سلسلے میں جیسے جیسے وہ دیہی زندگی سے قریب تر ہوتے گئے ان کا خیال اور بھی پختہ ہوتا گیا۔ لٰہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک کے رہنماؤں میں، سیاسی جدوجہد کرنے والوں میں جب کسی نے دیہی ترقی کی طرف، دیہاتی سماج سدھار کی طرف نظر نہیں ڈالی تھی، تب وہ دیہاتی عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے خود عملی جدوجہد شروع کر چکے تھے۔ رابندر ناتھ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے خیال کو ملک کے لوگوں کے سامنے رکھتے، رہنماؤں سے کہتے اور اگر وہ کام کرنے کو تیار نہ ہوتے تب وہ خود کام کرنے لگ جاتے۔ سرکا خطاب حکومت کو واپس کر دینے کے سلسلے میں بھی ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ " اگر کوئی کام کے لئے آگے نہ بڑھے، تو تم کو اکیلا ہی کام کرنا چاہئے" ۔ ۱۲ انہوں نے اس خیال کا بار بار اظہار کیا۔

اپنے ایک مضمون میں رابندر ناتھ نے اپنے عہد کے زمینداروں کے گھناؤنے کردار، ان کی انگریز دوستی اور حاکموں کی خوشامد پر بار بار وار کئے جس سے واضح ہے کہ وہ اپنے دور کے زمینداروں کے کردار سے نہایت ناخوش تھے اور ان کے ایسے کرتوتوں کو قومی بے عزتی سمجھا کرتے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں انہوں نے زمینداروں کے کردار کے سلسلے میں لکھا:۔

" ہمارے ملک کے زمیندار۔۔۔۔ ظلم ڈھا کر لگان وصول کر سکتے ہیں۔۔۔۔

ہمارے زمیندار اپنے آپ کو انگلستان کے لارڈ طبقہ کی طرح سمجھتے ہیں اور اس لارڈ

(Lord)طبقہ کی نقل کرتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں'' ہم ارسٹو کرائٹ (Aristocrat)اشراف ہیں ۔۔۔۔۔ہمارے ملک میں راجا،'' رائے بہادر'' وغیرہ کو دیکھ کر لوگ دل سے احترام نہیں کرتے اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے خطابات پانے والے عوام کے دلوں میں ایک انچ بھی بلند مقام حاصل نہیں کر سکتے''۔[۱۳]

ناول'' گورا'' میں ان کا یہ خیال یوں سامنے آتا ہے:

'' گورا جتنا ہی زیادہ ان لوگوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھتا اتنا ہی ایک خیال بار بار اس کے دماغ میں آتا۔۔۔۔وہ دیکھتا تھا کہ تعلیم یافتہ طبقے کے مقابلے میں ان دیہاتیوں کو سماجی پابندیوں نے زیادہ شدت کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ رات

دن مسلسل کھانے پینے، چھونے چھانے، ریت رسموں میں۔۔۔۔۔ غرض یہ کہ ہر گھر کے قدم پر سوسائٹی کی کڑی نظریں تھیں۔ ہر شخص نہایت سادگی کے ساتھ سماجی رواجوں کو مانتا تھا''۔

دیہات کے نیچ ذاتوں میں عورتوں کی تعداد کم ہونے کی بنا پر، یا اور وجہوں کی بنا پر بیوی جب ہی حاصل کی جا سکتی تھی جب کافی روپیہ دیا جا سکے۔ بہت سے مرد زندگی بھر کنوارے بیٹھے رہ جاتے تھے بعض کافی پختہ عمر میں کہیں جا کر شادی کر پاتے تھے۔ دوسری طرف بیواؤں کی شادی پر بڑی سختی سے پابندی تھی۔ اس وجہ سے برادری کے بہت سے گھروں میں صحتیں خراب تھیں، اخلاق برے تھے اور سب ہی کو پریشانی ہوتی تھی۔ اس بد بختی کا بھگتان سب کو بھگتنا پڑتا تھا لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا علاج کیا ہے، وہی گورا جو تعلیم یافتہ لوگوں سے بحثتا تھا تو روایتوں کو ذرہ برابر چھوڑنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ اس نے یہاں دیہات میں رسموں پر ایک زبردست چوٹ کی۔ پنڈتوں سے بات چیت کر کے ان کو تو اس نے راضی کر لیا، لیکن خود عوام کو جو مصیبت میں تھے اپنا ہم رائے بنانا آسان نہ تھا''۔[۱۴]

ٹیگور کو کئی بار سماج سُدھار کے لیے اکیلے ہی آگے بڑھنا پڑا۔ جب سب پیچھے ہٹ گئے وہ اکیلے بڑھے اور جو کچھ وہ خود کر سکتے تھے انہوں نے کسی کی پرواکئے بغیر کیا۔ دیہاتی زندگی سدھار کے سلسلے میں بھی وہ خود اپنے دو چار کارکنوں کو لے کر اپنی زمینداری کے علاقے میں کام کرنے لگے! انہوں نے اپنی زمینداری کے تحت دو پر گنہ میں تعلیم کا انتظام، پینے کے پانی کا انتظام، کسانوں کے قرض کا انتظام، دیہی کوآپر ٹیو (امداد باہمی) کا قیام (یاد رہے کہ شانتی نکتین میں بھی انہوں نے ایسا انتظام کیا تھا اور سنتھا لوں کے لئے ایک کوآپر ٹیو اسٹورس کھولا تھا، پھر شری نکتین میں جدید کاشت کا انتظام کیا تھا) جدید طریقے پر مشین سے کاشت کاری کا کام اور پھر پنچایت قائم کر کے پنچائتی عدالت کا قیام وغیرہ کی بنیاد ڈالی

تھی۔(ایسے کئی کام جس پر آزادی کے بعد اب ہم غور فکر کرنے لگے ہیں اور چند عملی قدم بھی اٹھا چکے ہیں۔)اور اسی طرح دیہاتیوں کی ترقی اور دیہاتیوں کو اپنی مدد آپ کرنے کا درس دینا شروع کیا تھا۔اس کے برسوں بعد جب ۱۹۳۰ء میں انہوں سوویت روس کا سفر کیا تب انہوں نے وہاں کے کسانوں اور مزدوروں کی زندگی کو قریب سے دیکھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ برسوں پہلے انہوں نے کسانوں اور مزدوروں کی ترقی کے سلسلے میں جو کچھ سوچا تھا اور عملی طور پر اقدامات کئے تھے،وہ کام اگر حکومت اپنے ہاتھوں میں لے کر انجام دے تو ملک کی ترقی نہایت تیز رفتاری سے ہو گی۔اس لئے انہوں نے روس کے سماجی انقلاب کی بھرپور تعریف کی اور کھل کر اس نظام حکومت کے گن گائے ہیں۔۱۵

غرض بنگلہ ادب میں رابندر ناتھ ٹیگور نے ناول کے فن کو وہ عروج عطا کیا جسے تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد بھی کوئی ناول نگار انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔انہوں نے اپنے ناولوں میں مکمل طور پر کرداروں کو ابھار کر پیش کیا۔زندگی کے وسیع میدان کے ہر پہلو پر ان کی گہری نظر تھی۔وہ وقت کے نباض کی طرح سماج کو پرت در پرت کھولتے چلے گئے۔ٹیگور نے اپنے فن سے بنگلہ ادب کا سر اتنا بلند کر دیا کہ ہم فخر کے ساتھ ان کا مقابلہ دنیا کے دیگر عظیم ناول نگاروں میں کر سکتے ہیں۔

حوالاجات

۱۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ،'' افسانہ اور ناولیں'' ، مشمولہ،رابندر ناتھ ٹیگور۔ص ص ۲۰۱۔۲۰۲

۲۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ،''کسان مزدور اور شاعر'' ،مشمولہ،'' رابندر ناتھ ٹھاکر حیات وخدمات''،اُردو اکیڈمی، مغربی بنگال،سن ندارد،ص105

۳۔ ایضاًص103

۴۔ رابندر ناتھ ٹیگور،'' گورا''،مترجم: سجاد ظہیر،ساہتیہ اکادیمی،نئی دہلی،1962،ص595

۵۔ رابندر ناتھ ٹیگور،'' نجات'' بھارت پُستک بھنڈارا کٹڑہ اہلوالیہ،امر سر 1944،ص6-5

۶۔ بنگلہ ماہنامہ،'' پرباسی''،ماہ چیت 1340مطابق 1930ء صفحہ 39،بحوالہ'' رابندر ناتھ ٹھاکر حیات وخدمات''، ص 106

۷۔ رابندر ناتھ ٹیگور،'' نجات'' ،ص ص46-45

۸۔ رابندر ناتھ ٹیگور،'' گورا'' ،ص95

۹۔ رابندر ناتھ ٹیگور،'' سنجوگ'' ،مترجم:رضا مظہری،ساہتیہ اکادیمی،نئی دہلی،1962،ص ص،323-322

۱۰۔ ایضاً، ص ص،359-358

۱۱۔ رابندر ناتھ ٹیگور، '' کلموہی'' ، مترجم: عابد حُسین، ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی، سن ندارد، ص169

۱۲۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ، '' کسان مزدور اور شاعر'' ، مشمولہ، '' حیات وخدمات'' ص97

۱۳۔ رابندر ناتھ ٹیگور، '' کلیات ٹھاکر'' ۔ جلد10، وشوابھارتی، کلکتہ، سن ندارد، ص600

۱۴۔ رابندر ناتھ ٹیگور، '' گورا'' ، ص ص592-591

۱۵۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ، '' کسان، مزدور اور شاعر'' ، ص98